

اختلاط جائز ہے یا ناجائز؟ مفید ہے یا مضر؟ اور پرکی سطروں میں انھیں امور سے بحث کی گئی ہے اور اجمالاً اس حقیقت کو الفاظ کے پردہ پر دکھلانے کی کوشش کی گئی ہے کہ اسلام کی شریعت، اس کی موجودہ سیاسی حالت اور اسکی اقتصادی کمزوری اس امر کی ہرگز اجازت نہیں دیتی کہ اہل اسلام اس خطرناک فتنہ سے غفلت برتیں، آخر یہ علمی اور اجتماعی نقطہ نظر سے بھی اس کے مضر اثرات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

کیا مشرق بالخصوص ہندوستانیوں کو وقت کے اس نہایت اہم سیاسی اور مذہبی فتنہ کا سدباب نہیں کرنا چاہیے۔ اور کیا ضرورت نہیں ہے کہ سمجھ بوجھ رکھنے والے اور قومی درد رکھنے والے قوم کی اس مہلک آفت پر فوری توجہ کریں۔

استدراک

خوش قسمتی سے یہ مضمون ایسے وقت آیا جب کہ خود ہم کو اس مسئلہ پر اظہار رائے کی ضرورت درپیش تھی۔ ہمارے ایک دوست کا تقاضا تھا کہ ”فرنگیات“ کی درآمد کا فتنہ بڑھتا جا رہا ہے، اور نکاح کتابیہ کی اجازت کا شرعی مسئلہ اس کے لیے بہانہ بن گیا ہے لہذا اس کے متعلق شرعی احکام کی صحیح تشریح ہونی چاہیے انہوں نے اس پر ایک مفصل استفسار بھی لکھ کر بھیج دیا تھا، مگر اب اس کو شائع کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہی، کیونکہ جن امور کی طرف انہوں نے اپنے استفسار میں توجہ دلائی تھی ان سب کو مولوی صدر الدین صاحب نے اپنے مضمون میں بیان کر دیا ہے۔

اس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں کہ یہ ایک بڑا فتنہ ہے ہندوستان اور مصر و شام وغیرہ ممالک میں تو اس کا اثر صرف اسی حد تک رہا کہ اسلامی نظام معاشرت میں گھس کر اس نے تہذیب اسلامی کی بیخ کنی شروع کر دی لیکن ترکی میں اس کے سیاسی نتائج بھی نہایت خطرناک ثابت ہوئے ہیں، اور اس کی بدد

ایک عظیم الشان اسلامی سلطنت تباہ ہو چکی ہے۔ اس بنا پر اگر درمند مسلمانوں کو اس کے سدباب کی ضرورت کا احساس ہو تو یہ بالکل جائز ہے۔ لیکن ہمارے نزدیک مصالحت کے کسی ایک پہلو پر ضرورت سے یا ذرا زور دیکر کسی شرعی مسئلہ میں ترمیم کرنا درست نہیں۔ قرآن مجید جس نے نازل کیا ہے وہ حکیم مطلق ہے اور اس کی نظر تمام مصالح و ضروریات پر غایت درجہ توازن و تناسب کے ساتھ پڑتی ہے۔ اس کے احکام کو سمجھنے اور حالات پر ان کو ٹھیک ٹھیک منطبق کرنے کے لیے معزوری ہے کہ حتی الامکان نظر کو زیادہ سے زیادہ وسعت دیکر تمام چھوٹی اور بڑی مصالحت کا جائزہ لیا جائے اور ہر ایک کو رعایت کا وہی درجہ دیا جائے جو خود شارع نے دیا ہے۔

قرآن مجید کی جس آیت میں اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح کی اجازت دی گئی ہے اس کے

الفاظ یہ ہیں :-

أَلْيَوْمَ أُحِلَّ لَكُمْ الزَّوْجَاتُ الَّتِي كُنَّ مِنْكُمْ فِي الْكُفْرِ إِذْ أَخَذْتُمُوهُنَّ مِنْكُمْ فِي الْكُفْرِ مِنْ قَبْلِ أَنْ تُؤْمِنُوا وَكُنْتُمْ يَافِقِينَ
 آج تمہارے لیے پاک چیزیں حلال کر دی گئی ہیں اور ان لوگوں کا کھانا جن کو کتاب دی گئی ہے تمہارے لیے حلال ہے اور تمہارا کھانا ان کے لیے حلال ہے اور وہ من عورتوں میں سے پاک دامن عورتیں اور ان لوگوں کی بھی پاک دامن عورتیں جن کو تم سے پہلے کتاب دی جا چکی ہے (تمہارے لیے حلال ہیں) شہداء
 أَخَذْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تُؤْمِنُوا وَكُنْتُمْ يَافِقِينَ (المائدہ: ۱)

اکھلم کھلا بدکاری کرنے والے یا چوری چھپی تعلقات رکھنے والے بنو۔

اختلافات سلف | اس آیت کی تفسیر میں سلف کے درمیان بھی بہت کچھ اختلافات ہوئے ہیں اور بعض اختلافات کا منشاء وہی شہادت میں جو لائق مضمون شکار پیش کر رہے ہیں، لیکن جمہور علماء نے

ہر زمانہ میں اس کے حکم کو ظاہر الفاظ اور عموم اطلاق ہی پر باقی رکھا ہے، اس لئے کہ کسی حکم قرآنی کو ظاہر سے پھرنے اور عام کو خاص کرنے کے لیے دلیل کی ضرورت ہے، مادہ یہاں سرے سے کوئی دلیل ہے ہی نہیں۔ منزل قرآن سے بڑھ کر صاحب حکمت متفق تو کوئی نہیں ہو سکتا۔ وہ خود اپنے حکم میں کسی استثناء یا تخصیص کی ضرورت سمجھتا تو **وَ اَلْحَصْنَتُ مِنَ الَّذِيْنَ اَوْثَقُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ** کے ساتھ کوئی قید ضرور بڑھاتا۔ اس کی شان تشریح سے یہ امر بہت بعید ہے کہ وہ قانونی احکام کے بیان میں اتنی چست زبان بھی استعمال نہ کر سکے جتنی دنیا کے واضعین قانون استعمال کر لیتے ہیں۔ کس طرح ممکن ہے کہ اس کا مقصد تو اہل کتاب کے کسی خاص کردہ کی عورتوں کو حلال کرنا ہو، اور وہ بیان حکم کے لیے الفاظ ایسے منتخب کرے جو تمام اہل کتاب کے لیے عام ہوں اور جن میں استثناء اور تخصیص کے لیے قطعاً کوئی اشارہ تک نہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام اور تابعین اور سلف نے عموماً اس آیت کو اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح کی عام اجازت پر محمول کیا ہے، اور صرف محمول ہی نہیں کیا۔ بلکہ اس کے مطابق عمل بھی کیا ہے، چنانچہ حضرت عثمان بن عفان نے نائلہ بنت قریظہ کلبیہ سے نکاح کیا جو نصرانیہ تھی، اور طلحہ بن عبید اللہ نے ایک شامی یہودیہ سے نکاح کیا، اور خلیفہ بن ایمان اور کعب بن مالک اور مغیرہ بن شعبہ وغیرہم نے بھی کتابیات سے نکاح کیے یا ان کو نکاح کے پیغام دیے۔

ابن عمر کا مسلک اصحاب میں سے صرف ایک ابن عمر رضی اللہ عنہم ہیں جنہوں نے اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح کو مطلقاً ناجائز قرار دیا ہے وہ کہتے ہیں کہ "اللہ تعالیٰ نے مشرک عورتوں کو حرام کیا ہے۔ وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكَاتِ حَتَّىٰ يُؤْمِنَنَّ (مشرک عورتوں سے نکاح نہ کرو جب تک کہ وہ ایمان نہ لائیں) اور میں نہیں جانتا کہ اس سے بڑھ کر بھی کوئی شرک ہو سکتا ہے کہ عبید بن مریم یا کسی بندہ خدا کو خدا قرار دیا جائے۔" اس بنا پر وہ تمام اہل کتاب کی عورتوں کو حرام قرار دیتے ہیں جن کے اعتقاد میں کفر و شرک پایا جاتا ہو

اور وَالْحُضْنَتِ کی تفسیر وَالْمُسْلِمَاتِ سے کرتے ہیں۔ یعنی ان کی رائے میں آیت کا مفہوم یہ ہے کہ اہل کتاب میں سے جو عورتیں مسلمان ہو جائیں ان کے ساتھ بھی نکاح کرنا تمہارے لیے حلال ہے۔

لیکن اس مسئلہ میں ابن عمر کی رائے درست نہیں ہے جس کے وجوہ مختصر اہم بیان کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں خود ہی اہل کتاب کے وہ تمام عقائد بیان فرمائے ہیں جو صحیح شرک پر مبنی ہیں، مثلاً ان کا یہ اعتقاد کہ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ اور یہ کہ اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثٌ ثَلَاثَةٌ اور قَالَتِ الْيَهُودُ عُنُوَيْرِ ابْنِ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصْرَانِي الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ یہی نہیں بلکہ اس نے لفظ شرک اور کفر کو بھی ان کی طرف منسوب کیا ہے۔ مگر اس کے باوجود اس نے کسی جگہ بھی ان کے لیے

”مشرک“ کا لفظ استعمال نہیں کیا بلکہ تمام قرآن میں جہاں کہیں بھی ان کا ذکر کیا ہے، اہل کتاب یا اس

کے ہم معنی دوسرے الفاظ کے ساتھ کیا ہے۔ قرآن کو اول سے لے کر آخر تک دیکھ جائیے۔ تین گروہ با

الگ الگ نظر آئیں گے۔ ایک مشرکین و کفار یعنی وہ لوگ جن کے پاس کوئی آسمانی ہدایت محرف یا غیر

محرف موجود ہی نہیں ہے۔ دوسرے اہل کتاب جو اپنی تمام اعتقادی و عملی گمراہیوں کے باوجود کسی

نبی اور کسی آسمانی کتاب پر ایمان رکھتے ہیں۔ تیسرے مومنین جن سے مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

کے پیرو ہیں عام اس سے کہ وہ اسلام میں پیدا ہوئے ہوں یا اہل کتاب کے گروہ

. سے اسلام میں آئے ہوں یا مشرکین و کفار کے گروہ سے نکل کر مسلمان ہو گئے

ہوں۔ قرآن ان تینوں گروہوں کے درمیان واضح امتیاز برتتا ہے اور کہیں ان کو خلط ملط نہیں کرتا کہ

مطلقاً اہل کتاب بول کر مشرک مراد لے، یا مطلقاً مشرک بول کر اہل کتاب مراد لے، یا الذین اذوا انکنا

بکر مسلمان مراد لے، پس جب اللہ تعالیٰ نے اَبْجِبْ وَلَا تَنْجُوا الْمُشْرِكِيْنَ فرمایا اور دوسری جگہ

وَالْحُضْنَتِ مِنَ الذِّمِّيْنَ اذُوا الْكِتَابِيْنَ، تو لامحالہ یہ ماننا پڑے گا کہ پہلی آیت میں المشرکات

سے اہل کتاب کی عورتیں مراد نہیں ہیں بلکہ بت پرستوں اور دوسری غیر کتابی قوموں کی عورتیں مراد ہیں

اگر یہ معنی نہ لیے جائیں تو قرآن کی دو آیتوں میں صریح تعارض لازم آتا ہے جس کو یہ لکھ کر دفع نہیں کیا جاسکتا کہ **وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ** سے مراد وہ عورتیں ہیں جو یہودیت و نصرا نیت چھوڑ کر مسلمان ہو گئی تھیں، یا ان کتابی فرقوں کی عورتیں ہیں جو شرک و کفر سے پاک تھے، اس لیے کہ۔
أَوْلَاءَ اللَّهِ تَعَالَى نے **وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ** سے پہلے **وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الْمُؤْمِنَاتِ** فرماد ہے اور مومنات سے صرف وہی عورتیں مراد نہیں ہیں جو اسلام میں پیدا ہوئی ہوں بلکہ وہ سب عورتیں بھی مراد ہیں جو اپنے سابق مذہب چھوڑ کر اسلام میں آئی ہوں۔ پس جب مومنات سے نکاح کو عموماً حلال کر دیا تھا اور ان میں وہ عورتیں بھی آپ سے آپ داخل تھیں جو اسلام سے پہلے نصرانی یا یہودی تھیں، تو پھر خاص طور پر **وَالْمُسْلِمَاتُ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ** کے ذکر کی کونسی ضرورت تھی۔ اس طرح تو یہ فقرہ بالکل بے معنی اور عبث ہو جاتا ہے

ثانیاً اس آیت سے پہلے یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ ان لوگوں کا کھانا تمہارے لیے حلال ہے جن کو کتاب دی گئی ہے۔ کیا دہاں بھی اہل کتاب سے مراد وہ مسلمان ہیں جو نصرانیت اور یہودیت چھوڑ کر مسلمان ہوئے ہوں؟ اگر نہیں تو کس بنا پر جائز ہوا کہ ایک ہی آیت کے ایک ٹکڑے میں لفظ اہل کتاب کے ایک معنی لیے جائیں اور دوسرے ٹکڑے میں دوسرے معنی؟

ثالثاً، نصاریٰ اور یہود کا کونسا فرقہ ایسا ہے جو شرک یا کفر سے پاک ہو؟ خدا کے بارے میں صحیح اعتقاد ان میں باقی ہی کہاں تھا اور کہاں سے آسکتا تھا؟ موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام کی اصل تعلیمات سے تو وہ محروم ہو چکے تھے پھر صحت اعتقاد کا راستہ ہی کیسے ملتا کہ ان میں کوئی فرقہ راہ راست پر ہوتا؟ پس یہ خیال قطعاً صحیح نہیں کہ **وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ** سے یہود یا نصاریٰ کا کوئی صحیح العقیدہ گروہ مراد ہے۔ قرآن کی جن آیات سے یہ شبہ ہوتا ہے کہ ان میں کچھ صحیح العقیدہ فرقے بھی تھے، ان کا اشارہ دراصل ایسے اہل کتاب کی طرف ہے جو نیک دل اور سلیم الفطرت ہونے کی بنا پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی

ہدایت کو قبول کر چکے تھے یا عنقریب قبول کرنے والے تھے۔

رابعاً اور بالفرض اگر یہ دونوں نصاریٰ کا کوئی خاص گروہ ایسا ہو بھی تو اللہ تعالیٰ نے الذین اولوا
الکتاب من قبلکم کے ساتھ کوئی قید ایسی نہیں پڑھائی ہے جس سے یہ مستفاد ہوتا ہو کہ یہ حکم صرف اسی گروہ کے
ساتھ مخصوص ہے اور دوسرے اہل کتاب اس سے خارج ہیں۔ پھر کیا وجہ ہے کہ ہم خواہ مخواہ اہل کتاب
کے اعتقادات کی چھان بین میں لگ جائیں اور اپنے قیاس سے ان کی بعض عورتوں کو حلال اور بعض کو
حرام قرار دیں؟

جن لوگوں نے حضرت ابن عمر کے قول کی تائید کی ہے وہ آیت وَلَا تَسْکُوبُوا بِعِصْمِ الْکُوفِرِ
سے بھی استدلال کرتے ہیں۔ لیکن یہ آیت خاص طور پر ان مردوں اور عورتوں کے حق میں نازل ہوئی ہے
جو دار الحرب سے دارالاسلام کی طرف مسلمان ہو کر ہجرت کر آئے ہوں اور جن کے شوہر یا بیویاں دار الحرب
میں بحالت کفر رہ گئی ہوں۔ آیت کا منشا یہ ہے کہ ان کے دارالاسلام میں آتے ہی جاہلیت کا نکاح ٹوٹ
جاتا ہے اور ہاجر مرد و عورت دونوں نکاح کے لیے آزاد ہو جاتے ہیں۔ یہ معنی تو شان نزول کے لحاظ سے
متحقق ہوتے ہیں۔ لیکن اگر کوئی شخص نفس الفاظ ہی پر حصر کرے تو ہم کہیں گے کہ ایک جگہ لَا تَسْکُوبُوا بِعِصْمِ
الْکُوفِرِ سے ایک عام حکم بیان کیا گیا تھا۔ پھر دوسری جگہ وَأَنْتُمْ مَنِ الذِّیْنَ اُولُوا
الْکِتَابَ کہہ کر یہ بتا دیا گیا کہ کفار میں سے ایک خاص جماعت یعنی اہل کتاب اس لائقہ کی ضمانت
عام سے مستثنیٰ ہے۔ اگر آپ یہ نہیں مانتے کہ پہلے حکم عام کو دوسرا حکم خاص کر رہا ہے تو آپ کو ماننا پڑے گا
کہ اللہ تعالیٰ متضاد باتیں کرتا ہے ایک جگہ ایک چیز کی اجازت دیتا ہے اور دوسری جگہ اسی کی نعت
کر دیتا ہے۔ معاذ اللہ۔

ابن عباس کا مسلک | ابن عمر کے بعد دوسرے صحابی مہنوں نے نکاح کتابیات کی اجازت کو محدود کرنے کی
کوشش کی ہے، ابن عباس ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ حکم صرف ذمی عورتوں کے ساتھ مخصوص ہے۔ نصاریٰ اور

اعتقادات

یہود میں جو لوگ سلطنت اسلامی کی رعایا ہوں صرف انہی کی عورتوں سے نکاح کیا جاسکتا ہے۔ خواہ ان کے میں کیسا ہی فساد ہو۔ رہے اہل عرب یعنی وہ لوگ جو حدود دارالاسلام سے باہر رہتے ہوں، تو ان کی عورتوں سے نکاح جائز نہیں۔ دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کے اس گروہ سے جنگ کا حکم دیا ہے: **قَاتِلُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَا يَوْمِ الْآخِرِ وَلَا يُحَرِّمُونَ مَا حَرَّمَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَلَا يَدِينُوا دِينَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حَتَّى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَدٍ وَهُمْ صَاغِرُونَ (التوبة)** نیز یہ بھی فرمایا ہے کہ جو لوگ خدا اور رسول کے دشمن ہوں ان سے محبت رکھنا اہل ایمان کا کام نہیں ہے۔ **لَا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ يُوَادُّونَ مَنْ حَادَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَوْ كَانُوا آبَاءَهُمْ** دوسری طرف اللہ تعالیٰ نے ازدواجی تعلق کی بنیاد جس چیز پر رکھی ہے وہ موڈت اور محبت کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ **خَلَقَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِتَسْكُنُوا إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَرَحْمَةً (الروم: ۲۱)** پس جب نکاح کا تعلق محبت و اخلاص کا مقتضی ہے، اور عربی مشرکین و اہل کتاب سے محبت رکھنا حرام، اور جنگ کرنا مامور ہے، تو لازم آیا کہ ان کی عورتوں سے نکاح کرنا جائز نہ ہو۔ یہ ابن عباس کا استدلال ہے مگر ابن عمر کی طرح ان کی رائے کو بھی جمہور صحابہ و تابعین و ائمہ متفقہین نے تسلیم نہیں کیا۔ اگرچہ عربیہ سے نکاح کو بالاتفاق سب مکروہ قرار دیتے ہیں، لیکن اس کی حرمت کا کوئی بھی قائل نہ ہوا کیوں کہ **والمحصنات من الذين اوتوا الكتاب** کی اجازت عربی اور غیر عربی سب کو شامل ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ نے کوئی قید نہیں رکھی ہے۔ پس جہاں تک قاتونی جواز کا تعلق ہے اس کو ٹھیک اسی عموم پر باقی رکھنا چاہیے جو آیت قرآنی میں پایا جاتا ہے رہا قومی مصالح یا شخصی حالات کے لحاظ سے نکاح کا مناسب نہ ہونا اور اس سے پرہیز کرنا، تو یہ بالکل ایک دوسری چیز ہے۔ ہم جائز کو ناجائز نہیں کر سکتے البتہ یہ حق ہم کو حاصل ہے کہ جو فعل جائز کسی خاص حالت میں یا کسی خاص وجہ سے ہمارے لیے مناسب نہ ہو اس سے ہم پرہیز کریں، کیونکہ جواز کے معنی امر اور لزوم کے نہیں ہیں۔

جمہور کا مسلک اور ان کے اختلافات | ابن عباس اور ابن عمر رضی اللہ عنہما کی رائے کو رد کر دینے کے بعد جو لوگ آیت زیر بحث کے حکم کو عام قرار دیتے ہیں، ان کے درمیان تمام تراخلاف صرف دو لفظوں کی تفسیر میں ہے، ایک الْمُحْصَنَات دوسرے الذین او تو الکتاب۔ محصنہ کے معنی ایک گروہ کے نزدیک ”پاک دامن عورت“ کے ہیں۔ اور دوسرا گروہ کہتا ہے کہ محصنہ وہ عورت ہے جو آزاد ہو، لونڈی نہ ہو۔ پہلے گروہ کے نزدیک اہل کتاب کی صرف ان عورتوں سے نکاح جائز ہے جو عقیقہ ہوں۔ بدکار اور آبرو باختہ اور بے حیا عورتیں اس حکم سے خارج ہیں۔ دوسرے گروہ کی رائے میں کتابیہ لونڈی سے نکاح جائز نہیں خواہ وہ عقیقہ ہی کیوں نہ ہو، اور آزاد کتابیہ سے جائز ہے خواہ وہ بدکار رہی کیوں نہ ہو۔ اہل کتاب کے متعلق اختلاف اس امر میں ہے کہ کون کون سے گروہ ان میں شامل ہیں۔ امام شافعی کہتے ہیں کہ اہل کتاب درہنہ صرف وہ یہودی اور نصرانی ہیں جو بنی اسرائیل سے ہوں۔ رہیں دوسری قومیں جنہوں نے یہودیت یا نصرانیت قبول کر لی ہے تو وہ اہل کتاب نہیں ہیں، کیونکہ حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ صرف بنی اسرائیل کی طرف بھیجے گئے تھے۔ دوسری قومیں ان کی دعوت کی مخاطب ہی نہ تھیں۔ خفیہ اور جمہور فقہاء کہتے ہیں کہ ہر وہ قوم جو کسی نبی کو مانتی ہو اور کسی کتاب الہی پر ایمان رکھتی ہو، اہل کتاب میں شمار کی جائے گی۔ اس میں یہود و نصاریٰ کی بھی کوئی قید نہیں، اگر کوئی گروہ صحف ابراہیم کا مانتے والا یا زبور داؤد پر ایمان رکھنے والا ہوتا تو وہ بھی کتابی گروہ ہوتا۔ سلف میں ایک قلیل جماعت اس طرف بھی گئی ہے کہ جن قوموں کے پاس کوئی ایسی کتاب ہے جس پر آسمانی ہونے کا شہہ کیا جاسکتا ہے وہ بھی اہل کتاب میں سے ہیں مثلاً مجوسی موجودہ زمانہ کے بعض مجتہدین نے اسی خیال کو وسعت دے کر یہ اجتہاد فرمایا ہے کہ ہندو اور صینی اور بودہ مت والے بھی اہل کتاب ہیں اور ان کی عورتوں سے بھی نکاح جائز ہے، کیونکہ بہر حال ان کے پاس بھی کوئی نہ کوئی نبی آیا ہوگا۔ اور کوئی نہ کوئی کتاب ان کو دی گئی ہوگی۔

اصح المسالک | ان تمام اختلافات میں جو مسلک سب سے زیادہ صحیح ہے وہ یہ ہے کہ اہل کتاب سے مراد

صرف یہود و نصاریٰ ہیں۔ عام اس سے کہ وہ اسرائیلی ہوں یا غیر اسرائیلی۔ قرآن مجید میں اہل کتاب کا لفظ انہی دونوں گروہوں کے لیے آیا ہے اور ایک جگہ تو تصریح کر دی گئی ہے کہ یہی وہ گروہ اہل کتاب ہیں وَ هَذَا كِتَابٌ أَنْزَلْنَاهُ مُبَارَكٌ فَاتَّبِعُوهُ وَ اتَّقُوا الْعَذَابَ الَّذِي تُرْحَمُونَ۔ اِنْ تَقُولُوا اِنَّمَا اُنزِلَ الْكِتَابُ عَلٰی طَائِفَتَيْنِ مِنْ قَبْلِنَا (الانعام: ۶) ان دو گروہوں کے علاوہ جن دوسری قوموں کے پاس کتابیں بھی تھیں انہوں نے چونکہ اپنی کتابوں کو بالکل ضائع کر دیا اور ان کے اعتقاد و عمل میں کوئی چیز بھی تعلیمات نبویہ پر باقی نہیں رہی اس لیے ان پر لفظ اہل کتاب کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجوسیوں کو اہل کتاب قرار نہیں دیا، حالانکہ وہ زردشت کو ملتے ہیں جن پر نبی ہونے کا شبہ کیا جاتا ہے۔ پھر کے مجوسیوں سے جب معاملہ پیش آیا تو حضور نے فرمایا کہ سَنُوا بِهَمْ سُنَّةَ اَهْلِ الْكِتَابِ (ان کے ساتھ اہل کتاب کا معاملہ کرو) یہ نہیں فرمایا کہ وہ اہل کتاب ہیں۔ پھر جو نام مبارک آپ نے مجوس پھر کو لکھا تھا اس میں صراحت کے ساتھ یہ تحریر فرمادیا تھا کہ۔

فان اسلمتم فلکم ہالنا و علیکم ما علینا
 ومن ابی فعلیہ الجزیۃ غیر اکل
 ذبا نحمہم ولا نکاح لساء ہم۔
 اگر تم اسلام قبول کر دو گے تو تمہارے لیے وہی حقوق ہوں گے جو ہمارے ہیں اور تم پر وہی اجبات ہوں گے جو ہم پر ہیں اور جو انکار کریں گے۔ ان پر جزیہ عائد کیا جائے گا۔ مگر ان کا ذبیحہ نہ کھایا جائے گا نہ ان کی عورتوں سے نکاح کیا جائیگا۔

اس تصریح کے بعد یہ شبہ کرنے کی کوئی گنجائش ہی نہیں رہتی کہ غیر یہود و نصاریٰ کو بھی اہل کتاب اور نکاح محسنات کی اغراض کے لیے اہل کتاب میں شمار کیا جاسکتا ہے۔

یہی اسرائیلیت کی قید، جو امام شافعی نے لگائی ہے تو وہ بھی درست نہیں۔ بلاشبہ دعوت موسوی و عیسوی کے مخاطب صرف نبی اسرائیل تھے، مگر جن غیر اسرائیلی قوموں نے نصرانیت کو قبول

کیا انھیں بھی تو خدا اور رسول نے اہل کتاب ہی میں شمار کیا ہے۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو نامہ مبارک
قیصر روم کے نام لکھا تھا اس میں یہ آیت نقل فرمائی تھی کہ **يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَى كَلِمَةٍ مَّوَدَّةٍ**
بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ۔

پھر جن لوگوں نے محضات کا ترجمہ عقیفہ یا حرہ کیا ہے اور عفت یا عزیت کو نکاح کتابیہ کے لیے شرط
قرار دیا ہے ان کا مسلک بھی درست نہیں معلوم ہوتا۔ اس میں شک نہیں کہ احسان کے مفہوم میں عفت و شرافت دونوں داخل
ہیں اور محضہ سے مراد ایسی ہی عورت ہے جو پاک دامن بھی ہو اور شریف و معزز بھی لیکن شارع کا مقصود ان دونوں
نہج کے لیے شرط قرار دینا نہیں ہے بلکہ محض فضیلت اور اولویت کا اظہار مقصود ہے اور شارع اصل یہ بتانا چاہتا ہے کہ نکاح کرنے
کو تو ہر مومن اور کتابی عورت سے کر سکتے ہو اگر ادنیٰ اور افضل یہ ہے کہ وہ عورت محضہ یعنی شریف اور
پاک دامن ہو۔ قرآنی احکام میں اس قسم کی قیود و کثرت لگائی گئی ہیں جو ثبوت حکم کے لیے شرط کی حیثیت میں
رکھتیں بلکہ کسی فعل جائز کے افضل پہلو یا کسی فعل ناجائز کے ارذل پہلو کو ظاہر کرنے کے لیے بطور ایک قید
زائد کے رکھی گئی ہیں تاکہ اہل ایمان افضل کے اختیار اور ارازل سے اجتناب کا اہتمام کریں۔ بعینہ ہی
مسلک ہے جو اس باب میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اختیار فرمایا ہے۔ حضرت خدیف بن ایمان نے ایک
یہودیہ سے نکاح کیا۔ حضرت عمر کو اطلاع پہنچی تو آپ نے لکھا کہ اسے چھوڑ دو نہ ہوں دریافت کیا کہ حکم کس بنا
پر ہے؟ کیا کتابیہ سے نکاح کرنا حرام ہے؟ آپ نے جواب دیا کہ حرام نہیں ہے مگر مجھے خوف ہے کہ کہیں
تم لوگ اہل کتاب کی آبرو باختہ عورتوں میں نہ پھنس جاؤ۔

پس تمام مسالک میں جو مسلک ہمارے نزدیک صحیح ہے وہ یہ ہے کہ اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح
کرنے کے شرعی جواز کو عام قرار دیا جائے خواہ وہ عربیہ ہوں یا ذمیہ، عقیفہ ہوں یا نہ ہوں۔ نوڈیاں ہوں
یا آزاد۔

مصنوع و حکم ایہا تک تو صرف قانون شریعت کا بیان تھا۔ اب ہم اس کے حکمی پہلو کی طرف توجہ کرتے ہیں۔

نخل کے متعلق اسلامی نقطہ نظر | شریعت اسلامیہ میں نخل کی حیثیت محض ایک عمرانی معاہدہ (Social Contract) ہی کی نہیں ہے، جیسا کہ بعض لوگ آج کل تعبیر کر رہے ہیں، بلکہ اس میں ایک مذہبی تقدس کی شان بھی ہے۔ یہ تقدس ہندوؤں اور عیسائیوں کے نخل کی طرح (Sacrament) کی حد تک تو نہیں پہنچتا، مگر عبادت کی حد تک ضرور پہنچ جاتا ہے۔ شایع اس سے نہ صرف تمدنی و عمرانی فوائد حاصل کرنا چاہتا ہے بلکہ دینی و روحانی فوائد بھی چاہتا ہے۔ اس سے اخلاق کی اصلاح مقصود ہے۔ سوشلٹی کی پاکیزگی مقصود ہے۔ ایک خالص اسلامی نظام معاشرت کا بقا و دوام اور نشو و ارتقا مقصود ہے۔ دنیا میں خدا کا نام لینے والی اور کلمۃ اللہ کو بلند کرنے والی نسلیں پیدا کرنا مقصود ہے اور ان مقاصد میں مددگار ہونے ہی کی وجہ سے اس کو عبادت کے قریب جگہ دی گئی ہے بعض فقہائے اسلام نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ بعض حیثیات سے نخل کو جہاد پر بھی فضیلت ہے کیونکہ نخل اور جہاد دونوں وجودِ مسلم اور وجودِ اسلام کے اسباب ہیں، مگر جو کچھ افرادِ مسلمین کی مناکحت سے حاصل ہوتا ہے وہ اس سے بدرجہا زیادہ ہے جو جہاد سے حاصل ہوتا ہے جہاد میں تو زیادہ تر امکان اس کا ہے کہ کفار قتل ہوں گے یا ذمی بن کر حالت کفر ہی میں رہیں گے بخلاف اس کے مناکحتِ اہل اسلام کا خاص نتیجہ یہ ہے کہ اس سے مسلمانوں کی ایک نسل کے اخلاق عفو ظاہر ہوں گے اور دوسری نسل بتعمین اسلام کی وجود میں آئے گی۔

اس باب میں اسلام کے نقطہ نظر کو پوری طرح سمجھنے کے لیے ان احادیث پر ایک نگاہ ڈالنی چاہیے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے نخل کے متعلق مروی ہیں۔ ابو یعلیٰ نے اپنی سند میں نقل کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ عتاق بن ودا عتہ اھلانی سے پوچھا کیا تو بیوی رکھتا ہے؟ انہوں نے کہا، نہیں۔ آپ نے پوچھا لونڈی بھی نہیں۔ انہوں نے کہا نہیں۔ آپ نے دریافت فرمایا تو صحیح الحکم اور خوشحال ہے؟ انہوں نے عرض کیا، ہاں۔ آپ نے فرمایا تب تو تو شیطان کے بھائیوں میں سے ہے یا رہبان نصاریٰ میں سے۔ اگر تو ہماری جماعت میں شامل ہونا چاہتا ہے تو وہی کر جو ہم کرتے ہیں۔ اور ہمارے طریقوں

میں سے ایک نخل بھی ہے۔ تم میں بدترین لوگ وہ ہیں جو مجرّم رہتے ہیں اور تمہارے مرنے والوں میں بدترین وہ ہیں جو مجرّم مرنے والے ہیں۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ تناکحو اتنا سلوا تکثروا فانی مکاتربکم الامم یوم القیمۃ نخل کر دہنیں بڑھاؤ، اپنی تعداد میں اضافہ کرو کیونکہ میں قیامت کے روز تمام امتوں کے مقابلہ میں تمہاری تعداد زیادہ دیکھنا چاہتا ہوں۔

ایک موقع پر فرمایا اربع من اعطین فقد اعطی خیر الدنیا والآخرۃ قلباً شاکراً ولساناً ذاکراً ویدناً علی البلاء صابراً ونروجۃ لا تبغیہ حوباً فی نفسہا ومالہ۔ (رواہ الطبرانی فی الکبیر والاصغر) چار چیزیں ہیں کہ جس کو وہ دی گئیں اسے دنیا اور آخرت کی ساری بھلائی دے دی گئی۔ ایک وہ دل کہ خدا جو کچھ دے اس پر وہ شکر ادا کرے۔ دوسرے وہ زبان جو خدا کا ذکر کرنے والی ہو۔ تیسرے وہ بدن جو مصیبتوں کے مقابلہ میں ٹھیرنے کی قوت رکھتا ہو۔ چوتھے وہ بیوی جو شوہر کے مال اور اپنی عصمت میں کسی خیانت کی طرف مائل نہ ہو۔

ایک اور موقع پر ارشاد ہوا من اراد ان یلقی اللہ طاهراً مطہراً فلیتزوج الحرائر (ابن ماجہ) جو کوئی اللہ سے پاک صاف ملنا چاہتا ہو اسے شریف عورتوں سے شادی کرنا چاہیے۔

ایک دوسری حدیث میں ہے لا تتزوجوا النساء الحسن فسی حسنهن ان یردین ولا تنزجوھن لاموالهن فسی امواھن ان تطغیھن ولكن تزوجوھن علی الدین فلامۃ خرقاء سوداء ذات دین افضل (ابن ماجہ) عورتوں سے ان کے حسن کی خاطر شادیاں نہ کرو۔ ممکن ہے کہ ان کا حسن ان کو بگاڑ دے۔ اور تم ان کے مال و دولت کی خاطر بھی شادیاں نہ کرو۔ جو سکتا ہے کہ ان کے اموال ان کو سرکش بنا دیں۔ تم کو ان میں جو چیز دیکھنی چاہیے وہ دین ہے۔ اگر ایک سیاہ رو اور نادان لونڈی بھی دیندار ہو تو وہ دوسری عورتوں سے افضل ہے۔

اسی قسم کی بہت سی احادیث ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام میں نکاح کی اہمیت صرف ایک تمدنی ضرورت کو پورا کرنے ہی کے لیے نہیں ہے، بلکہ سب سے بڑا مقصد تحصیلِ نفس اور طہارتِ اخلاق، اور تہذیبِ اسلامی کا فروغ، اور خالص مسلمان نسلیں پیدا کرنا ہے اور ان اغراض کے لیے صرف یہی کافی نہیں ہے کہ مسلمان نکاح کریں بلکہ یہ بھی ضروری ہے کہ ان کے نکاح ایسی عورتوں سے ہوں جو مسلمان ہوں، دین دار ہوں، شریف اور باعصمت ہوں، کیونکہ ایک صالح اسلامی سوسائٹی ایسے ہی مردوں اور عورتوں کے ازدواج سے وجود میں آسکتی ہے، اور ایک صالح مسلمان نسل ایسی ہی ماؤں کے پیٹ سے پیدا ہو سکتی ہے۔

مخلوط شادیوں کی مضرت ادنیٰ نقطہ نظر سے ہٹ کر خالص عمرانی نقطہ نظر سے بھی دیکھا جائے تو یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ مخلوط شادیوں (Mixed marriages) سے بڑھ کر کوئی چیز نظامِ معاشرت اور حیاتِ عائلی کو فاسد کرنے والی نہیں ہو سکتی۔ وہ ایسے زوجین جن کے خیالات میں بعدالمشرقین ہو اور جنہوں نے دو بالکل مختلف ماحولوں میں مختلف روایات اور مختلف معاشرتوں کے زیر اثر پرورش پائی ہو۔ اپنے باہمی احتلاط سے نہ تو خود اپنی زندگی میں سکون و راحت حاصل کر سکتے ہیں، نہ اپنے گھر کو کسی نظامِ معاشرت کا صالح رکن بنا سکتے ہیں۔ اور نہ کوئی ایسی نسل پیدا کر سکتے ہیں جو کسی نظامِ تمدن میں ٹھیک ٹھیک نصب ہو سکتی ہو۔ یہ ممکن ہے کہ ان کے درمیان محبت ہو اور آخر تک رہے، مگر ان کی محبت اور رفاقت زیادہ سے زیادہ صرف انہی کی ذات کیلئے لطف و لذت کی وجہ ہو سکتی ہے اس سے بڑھ کر اس کا کوئی تمدنی فائدہ نہیں ہے اختلافِ مذہب اور اختلافِ قومیت تو خیر بڑی چیز ہے حیاتِ عائلی کی کامیابی اور نظامِ تمدن کی بہتری کے لیے تو ایسی شادیاں بھی مفید نہیں ہوتیں جن کے دونوں فریق ایک ہی سوسائٹی کے دو مختلف طبقات سے تعلق رکھتے ہوں۔ اختلاف کا لازمی نتیجہ فساد ہے، اور صلاح کے لیے ضروری ہے کہ زوجین کے درمیان زیادہ سے زیادہ امور میں اتحاد ہو۔ صرف یہی کافی نہیں ہے کہ ان کا دین ایک ہو، بلکہ یہ بھی ضروری ہے کہ ان کا طرزِ معاشرت ایک ہو، ان کے خیالات اور اصولِ حیات میں یکسانی ہو، ان کے

معاشی اور معاشرتی مرتبہ میں جواری ہو، اور انہوں نے ایسی خاندانی روایات کے زیر اثر تربیت پائی ہو جو ایک دوسرے سے بہت زیادہ مختلف نہ ہوں۔ یہی چیز ہے جس کو اصطلاح شریعت میں ”کفارت“ کہتے ہیں شائع نے مناکحت میں کفو کو جو تربیت دی ہے وہ اسی لیے ہے کہ زوجین میں زیادہ سے زیادہ مماثلت ہو کیونکہ مماثلت صرف زوجین ہی کے لیے مودت و رحمت کی موجب نہیں ہے بلکہ پوری سائٹی کے لیے مفید ہے اور آئندہ نسلوں کی بہتری بھی اسی پر موقوف ہے۔ جن زوجین میں مماثلت نہیں ہوتی ان کی مواصلت محض ایک جسمانی مواصلت ہے جو تمدن و تہذیب کے نقطہ نظر سے قطعی بانجھ یا قریبے بانجھ ہوتی ہے۔

اختلاف مذہب کے نقصانات | عدم کفارت کے نقصانات تو صرف اسی قدر ہیں کہ اس سے زوجین میں مودت و رحمت کم اور نتیجہ خیز اشتراک عمل کم تر ہوتا ہے۔ مگر اختلاف مذہب و قومیت کے نقصانات اس سے بدرجہا زیادہ ہیں۔ اس میں سب سے بڑا خطرہ یہ ہے کہ ایک غیر مسلم ماں کی آغوش میں جو اولاد تربیت پا کر اٹھیں گی وہ دین و اخلاق کے اعتبار سے اسلامی سوسائٹی کے کسی کام کی نہ ہوں گی۔ اس کے علاوہ یہ بھی خطرہ ہے کہ وہ ایک مسلمان گھر میں غیر اسلامی طریقے رائج کرے گی اور جن جن گھروں سے اس کے روابط ہوں گے وہ سب کم و بیش اس عضو فاسد کے شر سے متاثر ہوں گے۔ پھر خود شوہر بھی اس کے اثرات سے محفوظ نہ رہے گا۔ اگر وہ اس کی محبت میں زیادہ گرفتار ہوا تو ممکن ہے کہ اپنے دین و ایمان کو بھی ہاتھ سے کھینٹے، اور اگر یہ فساد اس حد تک نہ بھی پہنچا تو اس کا کم سے کم یہ اثر ضرور ہو گا کہ وہ اپنے گھر میں اسلامی اخلاق اور اسلامی تہذیب کے بہت سے ارکان کی بربادی اپنی آنکھوں سے ہوتے دیکھے گا اور اس کو گوارا کرے گا۔ سیاسی حیثیت سے بھی اس قسم کی شادیاں خالی از مضرت نہیں۔ سازش اور جاسوسی اور سلطنت اسلامی کی بیخ کنی کے لیے مسلمان گھر کی کافر ملک بہت آسانی کے ساتھ استعمال کی جاسکتی ہے، اور اگر وہ زیادہ ہوشیار ہو تو اپنے شوہر کو بھی ان اغراض کے لیے آلہ کار بنا سکتی ہے۔ یہ سب وہ

منصرتیں ہیں جو پہلے بھی ظاہر ہو چکی ہیں اور آج بھی ظاہر ہو رہی ہیں۔ ہندستان میں عیسائی نظام معاشرت کو مشرکانہ رسوم اور جاہلانہ عادتوں سے کس نے آلودہ کیا؟ انہی عورتوں نے جو مذہب شرک پر قائم رکھ کر یا برائے نام مسلمان ہو کر مسلمان خانوں میں داخل ہوئیں۔ مسلمانوں کی نسلوں کو دین و اخلاق کے اعتبار سے کس نے تباہ کیا؟ انہی ماؤں نے جن کے سینوں سے مسلمانوں کے بچے شرک و جاہلیت کا دودھ پی پی کر بڑے ہوئے اسلامی حکومتوں کو کس چیز نے غارت کیا؟ زیادہ تر ان کا فر عورتوں کی محبت نے جو مسلمان امراء کے دلوں پر متصرف ہو گئی تھیں۔ آج اسلامی نظام معاشرت کی بنیادوں کو کونسی چیز کھوکھلا کر رہی ہے؟ ایک بڑی حد تک ان مغربی عورتوں کی حکومت جو ہماری سوسائٹی کے خوشحال اور بااثر طبقوں پر مسلط ہو گئی ہیں۔

اسلامی قانون ازدواج | جب حال یہ ہے تو ایک شخص کہہ سکتا ہے کہ غیر مسلم عورتوں سے نکاح کرنا باکلیہ کی شان اعتدال | ممنوع ہونا چاہیے تھا۔ آخر کیا وجہ ہے کہ شایع نے اس چیز کو جائز رکھا؟ اس کا صحیح جواب معلوم کرنے کے لیے ہم کو اس مسئلہ کے دوسرے پہلو پر نگاہ ڈالنی چاہیے کہ یہی وہ مقام ہے۔ جہاں شایع کا کمال حکمت اور اس کے طریق تشریح کا انتہائی اعتدال و توازن نظر آتا ہے۔

انسان جب کوئی قانون بناتا ہے تو عموماً وہ کسی ایک پہلو کی طرف اس قدر جھک جاتا ہے کہ دوسرے پہلو اس کی رعایت سے محروم ہو جاتے ہیں۔ کبھی وہ اجتماعی مصالح پر زیادہ زور دیتا ہے اور شخصی مصالح نظر انداز کر دیتا ہے۔ اور کبھی شخصی مصالح کی اتنی رعایت کرتا ہے کہ اجتماعی مصالح باطل ہو جاتے ہیں۔ مگر شایع اسلام کی حکیمانہ شان ایسی ہے کہ وہ ہر مصلحت پر نظر رکھتا ہے اور ہر ایک کی اتنی ہی رعایت کرتا ہے جس کی وہ مستحق ہوتی ہے۔ جیسا کہ اوپر بیان ہوا، اجتماعی مصالح اور ایک بڑی حد تک شخصی مصالح کا اقتضار یہ تھا کہ مسلمانوں کی شادیاں مسلمان عورتوں ہی سے ہوں اور پھر ان میں بھی مماثلت اور اتحاد کو ملحوظ رکھا جائے، چنانچہ اس کے لیے کفالت کا ضابطہ مقرر کیا گیا:

تختیر والنطفکم وانکحوا الاکفاء۔ اپنے نطفوں کے لیے اچھی قرار لگاؤ، ملاش کرو اور اپنے

روی ذلک من حدیث عائشہ والنس وعمر بن کفوالول میں شادیاں کرو۔

(طرق عدیدہ)

اور صاف طور پر بتا دیا گیا کہ کفایت میں سب سے پہلی اور سب سے اہم چیز دین ہے :-

وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ
بَعْضٍ يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ
عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ
الزَّكَاةَ وَيُطِيعُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ أَلَا
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ
نَارًا (النحریم)

مومنین اور مومنات ایک دوسرے کے ولی ہیں۔
(اس لیے کہ) وہ نیکی کا حکم دیتے ہیں، نماز قائم کرتے
ہیں، زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور خدا و رسول کی اطاعت
کرتے ہیں۔

اے اہل ایمان اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو
آگ سے بچاؤ۔

وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا أَنْ يَنْكِحِ
الْمُحْصَنَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ فَمِنْ مِمَّا مَلَكَتْ
أَيْمَانُكُمْ مِنْ فَتْيَتِكُمُ الْمُؤْمِنَاتِ وَ
اللَّهُ أَعْلَمُ بِأَيْمَانِكُمْ بَعْضُكُمْ مِنْ بَعْضٍ
(النسار: ۴)

اور تم میں سے جو کوئی پاک دامن مومن عورتوں سے
نکاح کرنے کی استطاعت نہ رکھتا ہو وہ ان مومن عورتوں
میں سے اپنے لیے جوڑا منتخب کرے جو تمہاری مملوک
ہیں۔ اللہ تمہارے ایمان کو خوب جانتا ہے اور تم
سب ایک دوسرے کے ہو۔

تم ان سے دین کی بنا پر شادیاں کرو کیونکہ ایک
بیوقوف یہ مومنڈی بھی جو دین دار ہو دوسرے عورتوں کا
افضل ہے۔

دوسری طرف بعض شخصی مصالح اس کی بھی معتضی تھیں کہ غیر قوموں میں نکاح کرنے کا ورنہ قبیح
طور پر بند نہ کر دیا جاتا۔ ہو سکتا ہے کہ ایک شخص کسی غیر مسلم عورت کے عشق میں مبتلا ہو جائے اور حصول مقصود کا

دروازہ بالکل بند پا کر حرام کی طرف جھٹک پڑے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ایک شخص کسی ایسی جگہ رہتا ہو جہاں مسلمان عورت بہم نہ پہنچ سکتی ہو، اور مجبور رہنے کی وجہ سے اس کے اخلاق بگڑنے اور اس کی خانگی زندگی خراب ہونے کا اندیشہ ہو۔ ایسے مخصوص حالات کے لیے کسی حد تک رخصت کا دروازہ کھول دینا ضروری تھا۔ چنانچہ شارع نے یہ دروازہ کھولا، مگر اس فتح باب میں شخصی مصالح کی رعایت کے ساتھ یہ بات ملحوظ رکھی کہ اجتماعی مصالح کو کم سے کم نقصان پہنچے۔

مسلم اور غیر مسلم کے نکاح کی حرمت اب سے پہلے تو یہ بات طے کر دی گئی کہ غیر مسلموں کے ساتھ شادی کرنے کی رخصت صرف مردوں کو دی جاسکتی ہے، عورتوں کے لیے یہ دروازہ قطعاً سدود ہے۔

لَا هُنَّ جِلَّ لَكُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّونَ لَهُنَّ
 (الممتحنہ ۲۰) کا فر مرد مسلمان عورتوں کے لیے حلال۔

یہ اس لیے کہ عورت کی فطرت ایک انفعالی فطرت ہے۔ اس میں ڈھال لینے سے زیادہ ڈھل جانے کی صلاحیت ہوتی ہے، وہ مرد کے اثرات اپنے ماحول کے اثرات کو زیادہ شدت کے ساتھ قبول کرتی ہے۔ اور عائلی زندگی میں شوہر سے عموماً مغلوب ہی ہو کر رہتی ہے۔ ایک غیر مسلم مرد سے اس کی شادی ہونے میں کم از کم ۹۰ فی صدی خطرہ اسی بات کا ہے کہ وہ ہمیشہ کے لیے اسلام اور اس کی تہذیب سے کٹ جائے گی، اور یہ خطرہ تو سو فی صدی ہے کہ اس کے پیٹ سے جو اولاد پیدا ہوگی وہ ملت کفر پر رہے گی۔ پس تمام مصالح و حکم اس بات کے متفق تھے کہ مسلمان عورتوں کے لیے غیر مسلموں کی زوجیت قطعی طور پر حرام کر دی جائے، اور رخصت کا دروازہ اگر کھولا بھی جائے تو وہ صرف مردوں کے لیے ہو۔

مسلم اور غیر مسلم کے نکاح کے قیود پھر مردوں کے لیے بھی یہ رخصت عام نہیں ہے۔ غیر مسلموں کو ازدواجی اغراض کے لیے دو طبقوں پر تقسیم کیا گیا ہے، ایک وہ طبقہ جو اسلام اور اس کی تہذیب سے بون بعید رکھتا ہے، جس کے عقائد اور اصول حیات اور قوانین اخلاق و معاشرت کسی جہت میں بھی مسلمانوں سے نہیں ملتے

دوسرے طبقہ جو تمام غیر مسلموں میں اسلام سے اقرب ہے، نبوت اور وحی کو کسی نہ کسی حد تک مانتا ہے، خدا اور یوم آخر کے اعتقاد میں بھی کسی حد تک اسلام سے قریب ہے، اصول اخلاق اور قوانین معاشرت میں بھی بہت سی ایسی چیزیں ابھی تک اس کے پاس محفوظ ہیں جو منبع نبوت کے نکلی ہوئی ہیں۔ ان دونوں طبقوں میں سے پہلے طبقہ نے ساتھ تو شادی بیاہ کرنا مانا ہے مگر یہ قطعی ممنوع کر دیا گیا۔

وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكِينَ حَتَّى يُؤْمِنُوا بِكَلِمَاتِ اللَّهِ
 تَمُومِنَةً خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَكَوْا عَجَبًا لِّكُمْ
 وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكِينَ حَتَّى يُؤْمِنُوا وَلَعَنَدُ
 الْمُؤْمِنِينَ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَكَوْا عَجَبًا لِّكُمْ
 يَدْعُونَ إِلَى النَّارِ وَاللَّهُ يَدْعُو إِلَى
 الْحَيٰةِ وَالْمَغْضَرَةِ بِإِذْنِهِ (البقرہ ۲۴)

اور مشرک عورتوں سے نکاح نہ کرو جب تک کہ وہ ایمان نہ لائیں۔ ایک مومن لڑکی ایک مشرک سے بہتر ہے خواہ وہ تم کو کتنی ہی پسند ہو اور تم اپنی عورتوں کی شادی بھی مشرک مردوں سے نہ کرو جب تک کہ وہ ایمان نہ لائیں۔ ایک مومن غلام ایک مشرک سے بہتر ہے خواہ وہ تمہیں کتنا ہی پسند ہو۔ وہ آگ کی طرف دعوت دیتے ہیں۔ اور خدا اپنے اذن سے جنت اور مغفرت کی طرف بلاتا ہے۔

نکاح کتابیہ کی اجازت | باہر دوسرے طبقہ تو اس کی عورتوں سے شادیاں کرنے کی اجازت دے دی گئی، مگر اس طرف بھی اشارہ کر دیا گیا کہ یہ محض ایک رخصت ہے اور اس لیے عطا کی گئی ہے کہ تم حرام کاری میں مبتلا نہ ہو۔

وَالْحَصْنَتُ مِنَ الَّذِينَ أَوْتُوا الْكِتَابَ
 مِنْ قَبْلِكُمْ إِذِ اتَّيَمُّوهُنَّ أُجُورَهُنَّ -
 مَخْصِيْنَ غَيْرِ مُسَافِحِيْنَ وَلَا يَتَّخِذُوْنَ
 أَخْدَانٍ (المائدہ : ۱)

اور حلال ہیں تمہارے لیے ان لوگوں کی عورتیں جن کو تم سے پہلے کتاب دی گئی ہے، بشرطیکہ تم ان کے بہرہ ادا کر کے قید نکاح میں لاؤ اور علانیہ یا چوری چھپے زنا کاری نہ کرو۔

نکاح کتابیہ کی کراہیت | جو لوگ شریعت اسلام کی روح سے اچھی طرح واقف تھے انہوں نے اس اجازت کو ہمیشہ رخصت ہی کے قبیل سے سمجھا اور اس کو پسند نہ کیا کہ مسلمانوں میں کتابیات سے شادی کرنے کا عام رواج ہو۔ شریعت کے سب سے بڑے راز داں اپنے عہد میں حضرت عمرؓ تھے۔ انہوں نے حضرت حذیفہؓ کو جو کچھ لکھا تھا وہ شریعت کی اسپرٹ پر خوب روشنی ڈالتا ہے۔ زمانہ اسلام کے غلبہ کا تھا مسلمان ارض شام میں فاتح اور حکمراں کی حیثیت سے تھے۔ معاملہ ایک ایسے جلیل القدر مسلمان کا تھا جس نے براہ راست شمع نبوت سے نور ایمان کا کتاب کیا تھا۔ اسلامی اخلاق اور اسلامی تہذیب میں اس سے بڑہ کر اور کون بچتہ ہو سکتا تھا۔ مگر باوجود اس کے حضرت عمر نے حضرت حذیفہؓ کو ایک کتابیہ کے ساتھ ازدواجی تعلق رکھنے سے منع کیا۔ پھر یہ نہیں فرمایا کہ کتابیہ سے شادی کرنا حرام ہے۔ بلکہ یہ فرمایا کہ اس سے مسلمان گھروں میں اہل کتاب کی بد اخلاق عورتوں کے گھس آنے کا اندیشہ ہے، لہذا اس اجازت سے فائدہ نہ اٹھانا ہی بہتر ہے۔

خوب سمجھیے کہ جب غلبہ کی حالت میں نکاح کتابیہ کے متعلق اسلام کا یہ طرز عمل ہے تو ایسی حالت میں طرز عمل ہونا چاہیے جبکہ ایک مسلمان کفار سے مغلوب ہو اور ان کی سوسائٹی میں گھرا ہوا ہو۔ اس وقت تو نکاح کتابیہ کی کراہت اور زیادہ بڑھ جانی چاہیے، کیونکہ دارالکفر میں اس کی مفرتیں کسی گنی زیادہ ہو جاتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ائمہ اسلام نے عموماً نکاح کتابیہ کو مکروہ، اور خصوصاً دارالکفر میں نہایت مکروہ قرار دیا ہے۔ شمس اللامہ سرخسہؒ اپنی کتاب المبوط میں لکھتے ہیں:-

يُحْوَرُ لِلْمُسْلِمِ أَنْ يَتَزَوَّجَ كِتَابِيَّةً فِي دَارِ الْكُفْرِ
وَالْكِنَّةُ بِكْرَةٌ لِأَنَّهَا إِذَا تَزَوَّجَتْهُ
رَبَّمَا يَخْتَارُ الْمَقَامَ فِيهِمْ... وَإِذَا وُلِدَ
تَخْلُقُ الْوَلَدَ بِأَخْلَاقِ الْكُفَرِ وَفِيهِ بَعْضُ
الْفِتْنَةِ فَيَكْرَهُ لِهَذَا... وَمَنْ

مسلمان کے لیے دارالکفر میں کتابیہ سے شادی کرنا جائز
تو ہے مگر مکروہ ہے کیونکہ اگر وہ وہاں شادی کرے گا تو
مکن ہے کہ کفار ہی کے ملک میں رہ پڑے..... اور
جب کتابیہ کے پیٹ سے اولاد پیدا ہو تو وہ کفار کے اخلاق
پائے۔ اس میں اور بھی فتنے ہیں اس لیے یہ مکروہ ہے

علی رضی اللہ عنہ من اهل الحرب حضرت علی رضی اللہ عنہ سے عربی عورتوں کے ساتھ نواح کے
من اهل الكتب فكره ذلك (ج ۵ ص ۵) بارہ میں پوچھا گیا تو آپ نے اس کو مکروہ فرمایا
امام ابن جریر طبری اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

”ذمیرہ اور عربیہ دونوں سے نواح جائز ہے بشرطیکہ نواح کرنیوالا ایسی جگہ نہ ہو جہاں اس

کی اولاد کے کفر پر مجبور ہونے کا خوف ہو۔ (جزو سادس - ص ۶۱)

ہا یہ میں ہے :-

ويعجزون تزويج الكتابيات والاولدان لا يفعل ولا ياكل ذبيحتهم الا لضرورة
وتكره الكتابية الحربية اجماعاً لا فتاح باب الفتنة من اماكن التعلق المستدعى
للمقام محماني دار الحرب تعريف الولد على التخلق باخلاق اهل الكفر
کتاب النواح)۔

کتابیات سے نواح کرنا جائز ہے مگر بہتر یہ ہے کہ نہ کیا جائے اور نہ ان کا ذبیحہ کھایا جائے الا یہ کہ ضرورت آڑے۔ اور عربی کتابیہ سے نواح کرنا بالاجماع مکروہ ہے۔ کیونکہ اس سے فتنہ کا دروازہ کھلتا ہے۔ مثلاً یہ کہ عورت سے ایسا گھر تعلق ہو جائے کہ مسلمان شوہر اسی کے ساتھ کافروں کے ملک میں رہ پڑے۔ اور یہ کہ اس کی اولاد اہل کفر کے اخلاق سے متخلق ہو جائے۔

اس بحث سے یہ بات واضح ہو گئی کہ نواح کتابیہ کونسا جائز اور باطل ٹھہرانا درست نہیں ہے۔

البتہ قانون اسلامی کی اسپرٹ اور ائمہ اسلام کے اجماع سے اس کا مکروہ ہونا اور خصوصاً دارالکفر میں اور غلبہ کفار کی حالت میں نہایت درجہ مکروہ و مبغوض ہونا ثابت ہے۔ اس کے ساتھ حضرت عمر کے فعل سے نتیجہ بھی نکلتا ہے کہ نہ صرف نواح کتابیہ کے معاملہ میں بلکہ شریعت کی تمام رخصتوں کے معاملہ میں جن سے ناجائز فائدہ اٹھانیکا میلان یا جاننا
مسلمانوں کے اولی الامر کو امتناعی احکام جاری کرنے کا حق ہے اور اس قسم کے امتناعی احکام جائز کونسا جائز اور حلال کو حرام کیے بغیر نافذ کیے جاسکتے ہیں مگر ایسا حکام جاری کرنے والوں میں اتنا تفقہ ہونا چاہیے کہ وہ قانون شریعت کی شان اعدال کو ضایع نہ کریں